تاثرات

"یہ عجیب لطیفہ ہے کہ کچھ لوگ مذہب کا بار بار نام لیتے ہیں اور ان کی زندگی میں اسی کی جھلک پائی نہیں جاتی۔ اسی طرح بعض حضرات آئے دن ثقافت و تہذیب کے مسائل پر ماہرانہ اظہارِ خیال کرتے رہتے ہیں، اور ان میں یہی خانہ اکثر تہی ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر تجکینہ کاظمی سرزمینِ ایران کی ایسی شائستہ، لائق اور فاضل خاتون ہیں کہ جو نہ صرف ثقافت کی اعلیٰ قدروں کی پُرجوش مبلغ ہیں بلکہ ان قدروں کا عملی نمونہ بھی ہیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب نے ایک عشائیہ میں اس مایۂ ناز خاتون کا تعارف کرایا، جو ادارہ ہی کی طرف سے ان کے اعزاز میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اور واقعی جس شخص نے بھی ڈاکٹر کاظمی کو ایک نظر دیکھا اور ان سے تبادلِ خیال کیا، ان کے اوصافِ حمیدہ سے متاثر ہوئے رہا، اور ان کے بارہ میں یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوا کہ علم و فضل اور اعزاز و شہرت کی فراوانیوں کے باوجود ان میں جو انکسار، سادگی، شرافت اور ہمدردیِ بنی نوعِ انسان کا بے پناہ جذبہ پایا جاتا ہے وہ قابلِ صد ستائش ہے۔

خلیفہ صاحب کے بعد ڈاکٹر عرفانی مدیر "ہلال" نے ان کی فیاضیوں کے ایسے کارنامے سُنائے، اور پاکستان سے جو ان کو دلی اُنس و ذوق ہے اس کے اتنے قصّے بیان کئے کہ حیرت ہوئی۔ یہ خاتون ایران کی ایک نہایت معزز اور کامیاب ڈاکٹر ہیں۔ سرطان پر اُنہوں نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے اور اس کو جدید طبی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف زبانوں سے انہیں خاص لگاؤ ہے۔ انگریزی کو ہم ایک نہایت ہی ترقی یافتہ اور گھن گرج کی علمی زبان تو سمجھتے تھے، لیکن اس میں فارسی کی سی حلاوت اور شیرینی بھی ہے، اس کا احساس پہلی دفعہ اس وقت ہوا جب اسی مجلس میں ڈاکٹر کاظمی نے اس کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ ٹھہرایا۔ روسی، جرمن اور فرنچ پر بھی انہیں عبور حاصل ہے۔ اور فارسی تو ان کی اپنی زبان ہے۔ فارسی سے متعلق یہ سوءِ ظن دلیں جاگزین تھا کہ اس بارہ کے موجودہ فضلا نے ایران میں اس کے لب و لہجہ کو خواہ مخواہ اس طرح تبدیل کر دیا ہے کہ اس پر مشرقی زبان کا مشکل ہی سے گمان ہوتا ہے۔ لیکن تجکینہ کاظمی کی مختصر سی تقریر نے ہمارے اس تاثر کو زائل کر دیا اور معلوم ہوا کہ اندازِ بیان کی تبدیلیوں کے باوجود اس میں وہی لوچ اور لطافت ہے جو حافظ و سعدی کی زبان میں ہو سکتی ہے۔ ان کی اصلی اہمیت یہ ہے کہ ان کو پاکستان سے بے حد محبت ہے اور علامہ اقبال کی شاعری کو پورے مشرق کے لئے دلیلِ راہ سمجھتی ہیں۔

ان کا گھر ہر پاکستانی کے لئے کھلا ہے۔ چنانچہ یہاں سے جس قدر اہلِ علم بھی گذشتہ چند سالوں میں ایران گئے ان سب کو ان کی مہمان نوازیوں کا مرہونِ منت ہونا پڑا۔ ان کی دولت اور ذہانت کا اصل مصرف یہ ہے کہ یہ غریبوں کی خدمت کریں۔ ان کے مصائب میں کام آئیں۔ اور ایران و پاکستان میں جو روحانی و ثقافتی روابط ہیں ان کو غیر سیاسی بنیادوں پر استحکام بخشیں۔ یہ اس سے پہلے بھی ۱۹۵۲ء میں پاکستان تشریف لائی تھیں۔ انہیں اس وقت یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی تھی کہ یہاں کی خواتین نے ملک کے معاشرتی مسائل کو سلجھانے کے لئے مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کیا ہے چنانچہ اس تاثر کا اظہار اُنہوں نے ایران جاکر متعدد اجتماعات میں کیا۔ اور وہاں کی خواتین کو دعوت دی کہ وہ بھی پاکستانی عورتوں کی طرح اپنے ہاں اصلاحی انجمنوں کی داغ بیل ڈالیں۔

ہمارے ادارہ کا ایک مقصد چونکہ یہ بھی ہے۔ کہ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کی مقتدر علمی و ادبی شخصیتوں سے ربط و ضبط پیدا کیا جائے۔ اور ان مشترکہ بنیادوں کا سُراغ لگایا جائے کہ جن پر ہماری تہذیبی و ثقافتی تعمیر کا دارومدار ہے۔ اس بنا پر ڈاکٹر کاظمی کو خصوصیت سے دعوت دی گئی، کہ وہ یہاں تشریف لاکر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور ان اغراض و مقاصد میں ادارہ کی مدد کریں۔ ہم خوش ہیں کہ اُنہوں نے باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے محض اس مقصد کی خاطر وقت نکالا اور یہاں تشریف لائیں۔ ہماری رائے میں یہ کام دراصل حکومت کا ہے کہ وہ ہر سال باہر کے چیدہ اہل علم و فکر کو یہاں آنے کی سرکاری طور پر دعوت دے، اور اس طرح سنجیدہ علمی و ادبی تقریبات کا اہتمام کرے، کہ ان سے دو گونہ فوائد حاصل ہوں یعنی ایک طرف تو باہمی تعلقات و روابط مضبوط ہوں اور دوسری طرف تمدنی مسائل اور علمی تحریکوں میں ہمارے ہاں ایک طرح کا جو ٹھہراؤ اور جمود سا پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو۔

خدا کا شکر ہے کہ ہزار انتظار کے بعد آخر لاکمیشن کا تقرر معرضِ عمل میں آ ہی گیا۔ ہمارے نزدیک جناب جسٹس شریف صاحب کا انتخاب ہر اعتبار سے موزوں ہے۔ اس سے پہلے کہ کمیشن باقی ارکان کا انتخاب کرے اس حقیقت کو پہلے ہی قدم پر ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کہ اصولی طور پر موجودہ قوانین کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کا مشغلہ صرف دلچسپ علمی و فقہی مشغلہ نہیں ہے بلکہ یہ فکر و ذہن کے دو مختلف محاذوں کی سنجیدہ جنگ ہے اور دو گروہوں کی لڑائی ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو اسلام کو زندگی کا ایک منطقی تقاضہ سمجھتا ہے، اسے رواں دواں خیال کرتا ہے اور اس کے بارے میں دیانتداری سے یہ رائے رکھتا ہے، کہ اس کو ہر زمانہ میں مشعل راہ قرار دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ غور و فکر کے زاویئے نسبتہً وسیع ہوں اور نظریں صرف مسائل کی سطح پر مرکوز ہو کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ ان کی اندر کی تہوں تک کا جائزہ لیں اور ان کلیات اور اصولوں کو پالینے میں کامیاب ہو جائیں کہ جن پر ان مسائل کا